یا حیُّ یا قیُّومُ

اِنتساب

ننّھے بلال کے نام

"جو آج بھونروں کی تلاش میں بہت دُور نکل گیا ہے"

ایک جینی شاعر

مرغکے دیشب بگلزارے بشانے می کرد
شاہدِ گل را ثباتے نیست دل دادن چہ سود
ہر کہ را حُسنے عطا کردند دقاتش کم است
بُلبل از گُل ہا، گل از شبنم، شبنم از انجم شنود

تعارف

ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

[illegible]
[illegible] ریاست کے بیشتر رسائل میں شائع ہو کر
خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ آج پہلی بار آپ اپنے منتخب کلام کا
مجموعہ شائع کروا رہے ہیں۔ اور آج ہی پہلی بار ہمالہ کی بلندیوں
پر جدید اُردو شاعری کی تاریخ کا ایک نیا ورق اُلٹا جا رہا ہے۔

علمی لحاظ سے کشمیر ابھی دورِ انحطاط سے گزر رہا ہے۔ صدیوں
کی مسلسل غلامی نے ہماری وہ رُوح فنا کر دی ہے جو فنونِ لطیفہ کی
پرورش کرتی ہے۔ ہماری ادبی فضا پر اب بھی ایک خاموش افسردگی
سی چھائی ہوئی ہے اور تاریخ کی مسلّم روایات کے پیشِ نظر آج کشمیر کا
وہ سرچشمہ تقریباً خشک ہو چکا ہے۔ جس سے ماضی قریب میں ساری
علمی دنیا فیض یاب ہوتی تھی۔ گو آگ بجھ چکی ہے مگر ٹھنڈی نہیں ہوئی
اس دور میں بھی گنتی کے چند ادیب اور شعرا مشعلِ ادب کو تھامے ہوئے
ہیں۔ زمانہ کی ناقدری اور سرد مہری کے باوصف یہ لوگ اپنی دُھن میں
مگن آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ نازکی اس مختصر سے گروہ میں ایک
مخصوص پوزیشن کا مالک ہے۔

نازکی خالص شاعر ہے۔ شروع سے آخر تک آپ کے
کلام کا تجزیہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ آپ کی شاعری ایک دُکھی
دل کی پکار ہے۔ ایک ایسی ماتم انگیز پکار [illegible] زندگی کی
اہم ترین حقیقت سے عبارت ہے۔ انسانی زندگی سے غم کا عنصر
نکال دیا جائے تو زندگی مہمل بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے غم نوعِ انسانی

کیلئے متاعِ بے بہا اور غم کے بغیر زندگی تشنۂ تکمیل۔ غم کا یہ خوشگوار
تصور جس کو اردو شاعری میں فانی مرحوم نے مستقل موضوع کے
طور پر روشناس کیا قنوطیت اور یاسیت کے اُس قدیم تصور سے
بالکل جداگانہ ہے جس پر مشرقی ادب خصوصاً فارسی اور اردو شاعری
کی بنیاد قائم ہے۔ یہ غم انسان کو فرار پر مجبور نہیں کرتا نہ بے عملی کی
طرف مائل کرتا ہے۔ نازکی کے یہاں غم کا یہ تصور اس حد تک
کارفرما ہے کہ آپ کے نزدیک غم ہی بندہ و مولا میں "وجہ ارتباط"
ہے۔ اور رُوح کی بالیدگی کے لئے صرف "دلِ اندوہگیں" کی
ضرورت ہے ؎

غم کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے میرے ہمنشیں
رُوح کو شاداب کرتا ہے دلِ اندوہگیں
غم میانِ بندہ و مولیٰ ہے وجہ ارتباط
باعثِ قربِ خدا ہم پایۂ روح الامیں

زندگی کے تلخ حقائق اور غم اور مجبوریوں کی
اس مسلسل عکاسی کو شاعر کے معاشرتی ماحول سے گہرا تعلق ہے کشمیر
کی گذشتہ قرنوں کی تاریخ بجائے خود ایک غمناک داستان ہے۔

اس ماحول میں کوئی ادیب اپنے گردوپیش سے اثر پذیر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ خود نازکی نے جس طور پر اپنی عمر کے بہتر سال
گذارے ہیں اُس کا یہاں تفصیل سے ذکر نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ کی
شاعری کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والے
کے ذہن میں سرسری طور پر شاعر کے اپنے تجربات اور مشاہدات کی
کیفیت سما سکے اسلئے آپ کی چالیس سالہ زندگی پر ایک چھلکتی ہوئی
نظر بھی ڈالتے جائے۔

۱۹۶۵ سنہ بکرمی میں کشمیر کے ایک معزز خاندان سادات نے زمانہ
کی ناموافقت سے لاچار ہوکر سرینگر سے ہجرت کرکے اوڑر (بانڈی)
[illegible]
دولت نے پردیس میں بھی عظمتِ رفتہ کی ساکھ قائم رکھی۔ عرصے تک
یہ خاندان مرجع خلائق رہا۔ نازکی کے والد بزرگوار عربی اور فارسی کے
اعلیٰ پایہ کے عالم تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ نازکی نے
ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اوائل عمر میں مشفق باپ کا سایہ سر سے
اُٹھ گیا۔ کمسن [illegible] کو تربیت کے سوا اور کوئی چیز ورثے میں [illegible]

ملی۔ اپنے سے چھوٹے بہن بھائیوں اور بے بس ماں کا گذارہ چلانے
کے لئے یہ شخص سولہ سال کی عمر میں گھر سے پچپن میل کے فاصلے پر محکمہ
تعلیم میں آٹھ روپیہ ماہوار کی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب
ہوگیا۔ اور پورے سترہ سال مدرسی کے اس چکر میں پھنسا رہا۔ یہ زمانہ
آہوں اور آنسوؤں کا تھا۔ اس دوران میں آپ نے پرائیویٹ طور پر
مڈل میٹرک۔ ایف اے۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات
پاس کئے لیکن چکر بدستور رہا۔ شباب غم آلود منزلیں طے کرتا گیا۔
اور زندگی کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی ڈگر پر چلتی گئی۔ خواجہ غلام
السیدین ریاست کے ناظم تعلیم ہو کر آئے۔ تو آپ نے اس جوہر قابل
[illegible]
[illegible] رسالہ تھا جو خواجہ موصوف کی زیر نگرانی [illegible]
شائع ہوتا رہا۔ نازکی نے اس رسالہ کے مدیر کی حیثیت سے ادبی
حلقوں میں اچھی شہرت پیدا کی۔ بدقسمتی سے "تعلیم جدید" زیادہ
دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ اور آپ پھر معلم ہو گئے۔ اُس وقت سے محکمہ
تعلیم میں آپ نسبتاً اچھے عہدوں پر فائز رہے۔ [illegible] ریاست میں

پہلی بار نشرگاہیں قائم ہوئیں۔ اور آپ ریڈیائی لہروں کی نذر ہو گئے۔

دنیا والوں سے فطری بے نیازی اور طبیعت کا ایک مخصوص لاابالیانہ انداز اس پس منظر کی پیداوار ہیں۔ زمانہ کی بے اعتنائی اور زندگی کے نشیب و فراز نے نازکی کی طبیعت میں ایک یاس پرور خلش پیدا کر دی ہے۔ یہی خلش آپ کی شاعری کا منبع ہے اور یہیں سے آپکے کلام میں وہ درد اور اثر نفوذ کرتا ہے۔ جو حقیقت نگاری کا خاصہ ہے ؎

تلخیٔ فکر حصول نان و آتش

کوئی جینا ہے [illegible] ؟

ہم نے اس دنیا سے کیا چھینا ہے دوست!

پرسش اعمال ہم سے؟ کس لئے؟

سرسید مرحوم کے عہد سے لے کر پہلی جنگ عظیم تک اور جنگ عظیم کے بعد سے اب تک اردو ادب میں جو نئی تحریکات رونما ہوئیں کشمیر میں انکا عمل اور ردِ عمل صفر کے برابر رہا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ

ہمارے یہاں اردو ادب کا کوئی ایسا سرمایہ نہ تھا جس پر کوئی تحریک اثر انداز ہو سکتی۔ جغرافیائی اعتبار سے کشمیر ہندوستان کا ایک جزو تو تھا لیکن ادبی لحاظ سے کشمیر میں اردو کی نسبت فارسی زبان کا ایک فرسودہ سا ذوق کارفرما رہا وہ بھی ایک محدود حلقے میں۔ اردو زبان کے ہر شاعر کی طرح نازکی نے آج سے بیس سال قبل روایاتی غزل گوئی سے شاعری کا آغاز کیا۔ لیکن موزونیٔ طبع اور اقتضائے زمانہ نے آپکے کلام میں رفتہ رفتہ ایک خوشگوار تنوع پیدا کیا۔ چنانچہ نظم گوئی کی ابتدائی مصلحانہ تحریک سے آجکل کی آتش فشاں انقلابی شاعری تک اردو شاعری جن منازل سے گذری ان کا عکس غیر شعوری طور پر نازکی کے کلام میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری زندگی کی موجودہ قدروں سے مکمل طور پر آشنا ہے۔

زیر نظر مجموعہ کا معتد بہ حصہ قطعات پر مشتمل ہے۔ ایک خیال کو چار مصرعوں میں مکمل طور پر اسی طرح ادا کرنا کہ پڑھنے والے کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جائے اتنا آسان نہیں جتنا پہلی نظر میں معلوم ہوتا

ہے۔ نازکی اس فن کے اُستاد ہیں۔ فکر کی وسعت اور نفسیات انسانی کے گہرے مطالعہ نے پیش پا افتادہ مضامین سے بھی نہایت بلند موضوعات پیدا کر لئے ہیں۔

دل سے اُٹھی لب پہ آئی لڑکھڑا کر گر پڑی
اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا مآلِ التجا

حسن بے پروا نظر آتا ہے مغرورِ تمکین
ملتجی کو جب نہیں رہتی مجالِ التجا

میں اُس غریب کی مانند دل سے لڑتا ہوں
جو بے کسی میں اُلجھتا ہو قرض خواہوں سے
جو نا امید ہو لڑنے کے بعد اور دیکھے
متاعِ خانہ کو حسرت بھری نگاہوں سے

ناکام جوانی اور نامراد زندگی کے ماتم کے ساتھ ساتھ شاعر کا حساس دل گرد و پیش کے حسین و جمیل مرقعوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "فطرت کے میزبان کی انوکھی نوازشات" گاہے گاہے روتے رُلاتے مہماں کو اپنی طرف کھینچ ہی لیتی ہیں۔

اک سہانی چاندنی رات اور مانسبل کی جھیل
حُسن کی چپ چاپ دنیا خلد کا عکسِ جمیل
دُور تا حدِ نظر سرسوں کے کھیتوں کی قطار
آرزو کا سلسلہ لا انتہا، فرصت قلیل!

یہ سکوں پرور سکوں آموز رات
یہ جاں آگیں، حیات افروز رات
چاند جھومر کہکشاں ہے حلق بند
اور خالِ چہرۂ نوروز۔ رات!

بر شبِ مہتاب بے پایاں سے مالامال جھیل
دامنِ کہسار کا جھرنا، عدیلِ سلسبیل
ہر ادا مخمور، ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت
ہر پہاڑی طور، ہر منظر حسین، ہر شے جمیل

"ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت"! ـــ لیکن پہلو میں تڑپنے والے سکوں نا آشنا دل کو کیا کیجیے؟ "غمِ روزگار" سے کہیں چھٹکارا ملا بھی تو "غمِ عشق" نے سر ابھارا۔

میں تمہیں اپنا بناؤں کس طرح؟
مل سکیں گے دھوپ چھاؤں کس طرح!

زمین سینکڑوں صدیوں سے اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ دھوپ چھاؤں کبھی نہ مل سکے۔ دھوپ چھاؤں کی اس کشمکش کو انسان نے ابتدائے آفرینش ہی سے اپنی زندگی پر منطبق کیا۔ ہمارے ادبیات میں غزل انسان کے اُن امٹ جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ جو زمان و مکان کی قیود سے بے نیاز ہر قوم اور ہر ملک میں یکساں ہیں۔ غزل نازکی کی اپنی چیز ہے۔ غزلیات کا حصہ مختصر اور جامع ہے۔ "یہاں بدمست جوانی کا وہ ابلتا جوش نہیں جو وقتی طور پر جذبات کو اُبھار کر پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایک ایسے پختہ مشق شاعر کی متانت اور تمکنت کارفرما ہے۔ جس نے دُنیا کو سو سو طرح سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ حسن و عشق کی نرم و نازک کیفیات کو آپ اس طرح بیان کرتے جاتے ہیں۔ کہ آدمی پڑھتا جاتا ہے اور زبان چٹخارے لیتی جاتی ہے۔ روانی کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کو کسی مدوجزر یا نشیب و فراز کا احساس تک نہیں ہوتا۔ باتیں [illegible] ہی [illegible] ہیں

مگر انداز نئے۔ ملاحظہ ہو!

سر کو جنبش سی ہوئی چہرے سے زلفیں ہٹ گئیں
شام نے اک جھرجھری سی لی سویرا ہو گیا

دُور تا حدِ نظر میری نظر تھی ہمسفر کا پتہ
لوٹ کیا آئی اُجالے میں اندھیرا ہو گیا

اب کس کو یقین آئے جو چیز ہے فانی ہے
پیغام محبت ہے اور اُن کی زبانی ہے

دو روز کے جینے میں برسوں کی جگہ کا دی
ناکام جوانی کی یہ رام کہانی ہے

محبوب کے ہونٹوں پر سیلاب تبسم ہے
یا نور کے دریا کی موجوں میں تلاطم ہے

دنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیاد تکلم ہے

شیرینیٔ وصال مسلّم مگر ندیم
تلخیٔ لطیف تر تھی شب انتظار کی

کل کہہ رہا تھا پیرِ مغاں بادہ خوار سے

دنیائے اعتبار نہیں اعتبار کی

لکھنے والا ہو۔ تو آج بھی غزل کی لڑی میں بیش بہا موتی پروئے
جا سکتے ہیں۔ یہاں تفصیلات سے بحث نہیں۔ ایک مسلسل غزل کے
چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

ہر چند کہ طوفان سے لڑا۔ سیلاب سے الجھا، یم میں پلا
پیغمبر طوفان نوح مگر اشکوں میں شناور ہو نہ سکا
از بسکہ چمن زاروں میں پلا، صحرا میں اُگا جنگل میں بڑھا
اُس قد کے برابر سرو سہی شمشاد صنوبر ہو نہ سکا
بجھ بجھ کے جلا۔ جل جل کے بجھا۔ جی جی کے مرا۔ مر مر کے جیا
خورشید منور پھر بھی مگر اُس بُت کے برابر ہو نہ سکا
ہر چند کہ تیری دنیا میں مجبور ہیں ہم مختار ہے تو
جو ہم نے زمیں پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا

"جو ہم نے زمین پر کیا کر ڈالا؟" ——— یہ ایک طویل کہانی
ہے۔ بحر و بر کی وسعتوں کو مسخر کرنے کے باوجود انسانی ترقی کی راہ

میں جتنا آگے بڑھتا گیا۔ اتنا ہی انسانی تہذیب کی بنیادیں کھوکھلی
ہوتی گئیں۔ کتاب کا آخری حصہ مجموعی طور پہ ہماری روزمرہ زندگی
کے مختلف النوع تاثرات کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ ترقی پسند اردو
ادب پر آپ کچھ بھی کہیں لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس
ادب نے ہمیں تخیلات کی جنت سے نکال کر واقعات کی دنیا میں کھڑا
کر دیا ہے۔ آج ہر شاعر اور ہر ادیب چلتے پھرتے انسانوں کی دنیا
میں سانس لینے پر مجبور رہے۔ تخیل کی خالی بلند پروازیوں کے سہارے
اب جھونپڑوں میں رہنے والوں کو محلات کے خواب نہیں دکھائے
جا سکتے۔ نازکی ادبیات کے اس واقعاتی رجحان سے اغماض نہیں
برت سکتا۔ آئیے اور اپنے سماج کو ذرا قریب آ کر دیکھئے!

کھوٹے دلوں میں، جھوٹ لبوں پر، قول سے ان کے فعل جدا
صبح کو یزداں، شام کو شیطاں، رات سے دن کے فعل جدا
بغض و عداوت، رشک و رقابت، آپا دھاپی، چیخ پکار
ابلیسوں کے چیلے چانٹے، شیطانوں کے برخوردار!

اور پھر — "دورِ تکمیل تمدن ہے معراج جفا کاری" — ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ اُلٹر گڈ ریے نے "کارگہ شیشہ گراں" پر آخری پتھر پھینکا ہے۔

انسان کی بے بسی اسوقت انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب ظلم سماج کے دوش بدوش "اندھی مشیت" بھی انسان کے درپئے آزار ہو جاتی ہے۔ "اندھی لڑکی کی دُعا" خدا کی لاتعداد نعمتوں پر ایک گہری طنز ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ رنگوں کی کئی اقسام ہیں
سرخ ہیں کالے ہیں پیلے اور نیلی فام ہیں
اور ان رنگوں سے وابستہ ہزاروں کام ہیں
مجھ کو کیا؟ یہ آنکھ والوں کے لئے انعام ہیں

حقائق تلخ ہوں تو ہوں انکی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خیر و شر کی کشمکش میں بالعموم شر کی فتح نظام زیست کی ایک ناخوشگوار حقیقت ہے۔ انسانی دنیا پر آج بھی چاروں طرف شر کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ یزید کی پکار دراصل ابلیسی نظام کے بلند بانگ دعاوی کی صدائے بازگشت ہے۔

یزدان و اہرمن کا ازل سے تضاد ہے
ابلیس کی قسم کہ خدا نامراد ہے
یزدانیوں کی قسمت دیرینہ ہے شکست
خرم کسے کہ فطرت او ظالم و بداست

کبھی پوری نہ ہونے والی تمنائیں۔ زندگی کے حسین مگر پُر فریب مغالطے۔ موت کے ناقابل برداشت صدمات جوانی کا غم۔ بڑھاپے کا الم —— آدمی کا سرمایہ حیات اتنا ہی تو ہے۔ نازکی زندگی کے خالص واقعاتی پہلو (REALISTIC SIDE) کو دیکھتا ہے۔ آپکے محسوسات میں نہ فلسفیانہ استدلال ہے نہ ندماں کی غیر حقیقی نکتہ آرائیاں۔ "مزمن درد" پہ موت کی شدید تمنا اور "زلف شبگوں" کے سامنے چند دن کی مہلت کی ہوس —— انسانی فطرت کے دلچسپ طور طریقوں ہی نے زندگی کو زندگی بنا رکھا ہے۔ زمانہ کی رفتار روز بروز زندگی کی الجھنوں میں اضافہ کرتی جارہی ہے۔ دور حاضر کے ہر انسان کی طرح شاعر بعض اوقات گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہوئی دنیا کے ناہموار پیچ و خم سے گھبرا کر ایسی جائے پناہ کیلئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ جہاں تھوڑی دیر کے لئے کرختی

کہ اپنی زندگی کے حادثات یاد نہ ہو سکیں۔ شراب ہماری شاعری میں تعیش پرستی کا نشہ نہیں خود فراموشی کی افیون سمجھی جاتی ہے۔

اس حال میں خوش رہنا میرے لئے مشکل ہے
تھوڑی سی میں پی لوں گا گو زہر ہلاہل ہے
حساس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

تعارف قدرے طویل ہو گیا ہے۔ اور معذرت یہی کہ ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

پانپور
۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء

غ۔ م۔ طاؤس

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا
(غالب)

حرفِ اوّل

"دیدۂ تر" میرے کلام کا پہلا مجموعہ ہے جو چھپ رہا ہے۔ مجھے اس بات کا صحیح اندازہ ہے کہ اس میں بہت سی خامیاں ہونگی۔ لیکن میرے اکثر ادب نواز دوستوں کا اصرار تھا کہ اس مجموعہ کو چھپ جانا چاہیئے۔ میں اُنکی اس پُرخلوص خواہش کو رد نہ کر سکا۔ کلام کا انتخاب میں نے خود کیا ہے اور اپنی طرف سے کوشش یہی کی ہے کہ بہترین چیزیں ہی منظرِ عام پر آجائیں۔ کتاب کا تعارف میرے عزیز بھائی غلام محمد میر صاحب طاؤس ایم۔اے۔ایل ایل۔بی نے لکھا ہے۔ اُردو ادب پر آپ جو گہری نظر رکھتے ہیں، اس کا اندازہ آپ کو ان کے لکھے ہوئے تعارف سے ہو سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے اس تعارف نے ہی مجھے اس بات کا احساس دلایا کہ میرے کلام میں چھپ جانے کی اہمیت

ہے۔ آپ نے جس خلوص اور محبت سے یہ تعارف لکھا ہے، اس کا
میرے دل پر گہرا اثر ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ نے کہیں کہیں مبالغہ
بھی کام لیا ہو۔ لیکن محبّت میں ہر چیز پیاری نظر آتی ہے۔

ریڈیو کشمیر سری نگر
۲۰ اگست ۱۹۷۹ء

میر غلام رسول نازکی

دین میرا شوقِ پابوسِ رسولِ ہاشمیؐ
عشق میرا رقصِ طاؤسِ رسولِ ہاشمیؐ
میری عزّت خواجۂ یثربؐ کی عزّت پر نثار
میرا مذہب حفظِ ناموسِ رسولِ ہاشمیؐ

میرا قرآں مصحفِ روئے رسولِ ہاشمیؐ
حوضِ کوثر خوئے دلجوئے رسولِ ہاشمیؐ
میرا فردوسِ بریں کوئے رسولِ ہاشمیؐ
شاخِ طوبیٰ عکسِ گیسوئے رسولِ ہاشمیؐ

تجھے خبر نہیں عالی مقام ہوں میں بھی
مثیلِ خضر علیہ السلام ہوں میں بھی
جہانِ لوح و قلم میرے زیرِ فرماں ہے
محمدِ عربیؐ کا غلام ہوں میں بھی

سحر کا وقت ہے بیدار ہے دلِ آگاہ
نزولِ رحمتِ پروردگار پہ ہے نگاہ
درود خواں ہے گل و خار و یاسمین و گیاہ
کلی کلی کی زباں پر ہے یا رسول اللہؐ

ہلاکت آفریں ہے بحر کی موجوں کی طغیانی
میں خود بے فکر ہوں کشتی کا لنگر توڑ بیٹھا ہوں
وہی میری شفاعت کر کے بیڑا پار کر دیں گے
محمدؐ کے بھروسے پر خدا کو چھوڑ بیٹھا ہوں

ہمیشہ عرش سے آگے رہی مری پرواز
مرا وجود ہے ابنائے جنس میں ممتاز
مری نگاہ میں ہموار ہے نشیب و فراز
ہے دل میں جب سے تمنائے خاکِ پاکِ حجاز

دلِ غم دیدہ کو تسکین سا مل جاتا ہے
جب عقیدت سے ترا نام لیا کرتا ہوں
جب میں گھر جاتا ہوں طوفانِ حوادث میں کہیں
دامنِ سیدِ کلؐ تھام لیا کرتا ہوں

~~~~~~~~

جس پہ پڑتی ہے رسولِ ہاشمیؐ کی اک نظر
خاک سے بنتا ہے سونا اور سونے سے گہر
وہ ذرِ خالص جو چمکائے جبینِ مہر و ماہ
وہ گہر جس سے درخشاں ہے نہادِ ماہ و خور

۲۷

کر دیا پیغمبرِ صحرا نے مجھ پر راز فاش
موج ہو جاتی ہے ٹکرا کر چٹاں سے پاش پاش
مردِ مومن کے دلِ بیباک میں غم کیا مجال!
بدرِ کامل نے کیا تاروں میں پیدا ارتعاش

~~~~~~~~

گفتگو کل ہو رہی تھی بلبل و شہباز میں
دے دیا بلبل نے شاہیں کی تعلی کا جواب
ہے بظاہر تلخ لیکن یہ حقیقت ہے جناب
زندگی ہے سینکڑوں تاروں کی مرگِ آفتاب

اِک زمانہ تھا کہ دِل ہوتا تھا مقصودِ حیات
دل کی چالوں کو کیا پھر عقل کے شاطر نے مات
ابتدا میں عقل تھی ہر ہر قدم پر کامیاب
اب "شکم" ہی رہ گیا لے دے کے اس کی کائنات

~~~~~~~~~~~~

تیرہ دل کی ہم نشینی سے مری جاں دُور بھاگ
صُحبتِ روشن نفس سے دل کی کھُل جاتی ہے آگ
آگ کی آغوش میں پڑ کر چمکتا ہے زُغال
راکھ کے نیچے دبا رکھنے سے بُجھ جاتی ہے آگ

۲۹

وہ جس کے دم سے آزادی کی حد محدُود ہو جائے
وہ ننگِ آدمیت سکھ مسلم نابُود ہو جائے
سبق دے گا زمانے کو مساوات و اخُوت کا
ایاز اس دور کا کل کو اگر مجتہد ہو جائے

~~~~~~~~~~~~

خاموش تھے سب باغ میں چھائی تھی اُداسی
بُلبل نے بڑے لطف کی اِک بات بیاں کی
ہوگا وہ کوئی اور زمانے کا تقاضا
اس دور میں کٹتی ہے زباں اہلِ زباں کی

دِل عموماً اُداس رہتا ہے
وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
چھوڑ جاتے ہیں ساتھ سب ساتھی
ایک غم ہے جو پاس رہتا ہے

غلط خیال ہے جن کا خیال ہے فطرت
ظلوم و جاہل و باطل نواز ہوتی ہے
خدا کے قہر سے بچتا نہیں کوئی لیکن
حرام زادے کی رسی دراز ہوتی ہے

یہ راہ سخت کٹھن ہے مسافروں کے لئے
ہر ایک گام پہ گرتوں کو تھامنا ہوگا
اندھیری رات میں تسخیرِ منزلِ مقصود
قدم قدم پہ رُکاوٹ کا سامنا ہوگا

جو میرے دل میں تلاطم ہے کہہ نہیں سکتا
حقیقتوں کے طمانچے میں سہہ نہیں سکتا
تخیلات کی دُنیا میں میری جنّت ہے
میں واقعات کی دُنیا میں رہ نہیں سکتا

تیرے دل میں ایمان کامل نہیں
عجب کیا اگر ہو گیا مضطرب
نہ سمجھا ہے یجعل لہٗ مخرجا[۱]
ویرزقہ من حیث لا یحتسب

~~~~~~

اک سہانی چاندنی رات اور مانسبل کی جھیل
حسن کی چپ چاپ دنیا خلد کا عکس جمیل
دور تا حدِ نظر سرسوں کے کھیتوں کی قطار
آرزو کا سلسلہ لا انتہا، فرصت قلیل

---

[۱] ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب
سورۃ ...
"جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے (غم سے) نکلنے کا رستہ بنا لیتا ہے اور رزق کے وہ اسباب مہیا کرتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی ..."

۴۳

بعض بندے ہیں فقط ایک خدا کے بندے
بعض بندے ہیں فقط حرص و ہوا کے بندے
ہم نہ بندے ہیں ہوس کے نہ خدا کے بندے
عشق کے بندے ہیں تسلیم و رضا کے بندے

~~~~~~

تلخئ فکرِ حصول نان و آتش
یہ کوئی جینا ہے جو ہم تم جئے؟
ہم نے اس دنیا سے کیا چھینا ہے دوست
پرسش اعمال ہم سے کس لئے!

چاند کی کرنوں سے دنیا حُسن کا گہوارہ ہے
پَرتوِ مہتاب ہے یا نور کا فوّارہ ہے
جلوہ گاہِ طُور ہے پست و بلندِ کائنات
رات کا سنسان منظر ہے نظر آوارہ ہے

~~~~~~~~~~

تم نے وہ قصّہ سُنا ہوگا کہ اک روباہ نے
تنگ آ کر کہہ دیا انگور کھٹے ہیں تمام
کل کسی سے کہہ رہا تھا واعظِ ابلہ فریب
"اُن پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام"

۳۵

روش رہی ہے زمانے کی ابتدا سے یہی
جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
مرے خیال میں غم لازوال دولت ہے
میں غم نصیب کو کس مُنہ سے کم نصیب کہوں

~~~~~~~~~~

اس قدر پیا کہ سب دنیا نظر آئے شراب
پھول کا جلوہ دکھائی دے گیاہ و خار میں
اب میں تم سے کیا کہوں اے واعظِ یخ بستہ خو
کاش تھوڑی سی خلش بکتی کہیں بازار میں

پہلوؤں میں برف کی ٹھنڈی سی قاشیں دیکھئے
دفن ان اجلی سی پوشاکوں میں لاشیں دیکھئے
زندگی کا غم، جوانی کا الم، فکرِ معاش
غم کے ہاتھوں دل کے چہرے کی خراشیں دیکھئے

اے غلام ابن غلامِ زندگی!
کیا تجھے سچ مچ بھلا لگتا ہے نامِ زندگی
مستقل سی چیز کی خواہش کرے انساں تو خیر
یاں تو ہر لمحہ بدلتا ہے نظامِ زندگی

لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہے میدانِ عمل
زندگانی سعیِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ غلط ہے وہم ہے دھوکا ہے یکسر جھوٹ ہے
میرا ایماں ہے یہاں غم کے سوا کچھ بھی نہیں

غم کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے میرے ہمنشیں
روح کو شاداب کرتا ہے دلِ اندوہ گیں
غم میانِ بندہ و مولیٰ ہے وجہِ ارتباط
باعثِ قربِ خدا ہم پایۂ روح الامیں

خاص بننے کی ہوس میں بھاگتے ہیں عام سے
کام رہتا ہے انہیں دنیا میں اپنے کام سے
بے خبر اوروں سے، اپنے عیش کے انجام سے
ہول آتا ہے مجھے فرزانگی کے نام سے

باغ میں پھر سے ورودِ فصلِ گل ہونے لگا
شاہدِ رعنائے گل شبنم سے منہ دھونے لگا
پھر خودی کو بھول کر دنیا ہوئی مستِ شباب
میں شبابِ فتنہ کے ماتم میں پھر رونے لگا

سوچ میں تھیں، یک بیک پھیلا لبوں پر ابتسام
جل پری پانی میں غوطہ کھا گئی ہنگامِ شام
ہلکے ہلکے بادلوں میں چھپ گیا ماہِ تمام
دامنِ کہسار میں ندی ہوئی محوِ خرام

بہت مدت سے ہوں آوارۂ ذوق
جہانِ بیش و کم سے دل لگا کر
دلِ بیدار فاروقی کا صدقہ
دلِ بیدار کی دولت عطا کر

سکونِ دل مجھے حاصل کہاں ہے؟
تڑپتا ہوں سکونِ دل کہاں ہے
میں اس دل کو کہاں پر پھینک آؤں
دلِ مضطر مرے قابل کہاں ہے؟

کلبۂ غریباں کی بنیاد ہلا دیتا ہے غم
بندہ و مولیٰ کو آپس میں ملا دیتا ہے غم
بادۂ تسکینِ خاطر انتہائے یاس میں
تشنہ کامانِ محبت کو پلا دیتا ہے غم

لرزہ براندام ہو جاتا ہے ہر حساسِ دل
کتنی ہیبت ناک غربت ہے ہمارے دیس میں
کون جانے ان میں کتنے غالب و اقبال ہیں
کتنے رازی پھر رہے ہوں گے گدا کے بھیس میں

اگر پیری میں بھی گردش میں خونِ زندگی ہوگا
جوانی کا زمانہ کون کہتا ہے کہ بیتا ہے
یہی ہے مشعلِ خورشید بجھ بجھ کے جل اٹھتا
چمکتا ہے وہی دنیا میں جو مر مر کے جیتا ہے

میں نے بلبل سے سبب رونے کا پوچھا آج صبح
یہ بھی کوئی وقت ہے فریاد کرنے کیلئے؟
بولی۔ میں سمجھی تھی سورج مر گیا مرگِ دوام
یہ جوانا مرگ پھر آیا ہے مرنے کیلئے

کون کہتا ہے شبِ غم کی سحر ہونے لگی
امن و آزادی کی صورت جلوہ گر ہونے لگی
جب سے ڈالی فکرِ انساں نے ستاروں پر کمند
زندگی دشوار تھی دشوار تر ہونے لگی

ایک جانِ ناتواں اس پر ہزاروں آفتیں
درد بھی، رنج و الم بھی، زخم بھی، ناسور بھی
چار دن کی زندگی رنج و الم آٹھوں پہر
زندگی دی تھی دیا ہوتا دلِ مسرور بھی!

شمع سے میں نے کہا کل رات اے آتش بجان!
مجھ کو اسرارِ حیاتِ جاوداں کی ہے تلاش
ایک ہی ہچکی میں اس کا ہو گیا قصہ تمام
چار کونوں میں پڑی تھی چار پروانوں کی لاش

میں اس غریب کی مانند دل سے لڑتا ہوں
جو بے کسی میں الجھتا ہے قرض خواہوں سے
جو نا امید ہو لڑنے کے بعد اور دیکھے
متاعِ خانہ کو حسرت بھری نگاہوں سے

پھر پریشانی کا مرکز ہے مرا صد لختِ دل
پھر پگھلنے لگ گیا خارا کا ایسا سخت دل
رات دن رونا بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے
رو چکا سو بار، اب چپ بھی تو ہو کم بخت دل!

فرشتوں نے مرے اعمال کی نسبت مجھے پوچھا
کہ جو کچھ کر چکے دنیا میں تم کہہ دو صفائی سے
مرے کمزور دل کو مجھ سے سب کچھ کہلوانا تھا
مری فطرت نے روکا مجھ کو بے جا خود ستائی سے

فرشتے پوچھتے جاتے تھے میں خاموش تھا گم صم
وہ سمجھے اعترافِ جرم ہے میری یہ خاموشی
یہ ذوقِ سرزنش تھا جس سے میں خاموش بیٹھا تھا
مرے مذہب میں ناجائز ہے سعیِ عافیت کوشی

ہُوک سی اُٹھتی ہے غیر آباد دل میں یک بیک
دامنِ صبر و سکوں ہوتا ہے پل میں تار تار
جس طرح سے فصلِ گل میں چاک ہو دامانِ گل
سائیں سائیں کر کے چلتی ہو ہوائے خوشگوار

~~~~~~~~~~

مجھکو آزادی کا فرماں مِل گیا جس وقت میں
یاس کا پُتلا بنا بیٹھا تھا محشر میں اُداس
ہو بہو جیسے کوئی بالوں لڑکا بغتتہً
سال بھر بیکار رہنے پر بھی ہو جاتا ہے پاس

۴۷

یہ بات ٹھیک کہ اس کارگاہِ فانی میں
نہیں ہے کوئی بھی جو غم سے ہمکنار نہیں
غرض نہیں غم و اندوہ سے مرے دل کو
اسے وفورِ مسرت میں بھی قرار نہیں

~~~~~~~~~~

یہ آج کل کے فقیہوں کے بحثنے کا اصول
مناظرہ کی روش اور طرزِ قال و اقول
مرے خیال میں رہتا ہے جھٹ وہ دیوانہ
جو اپنے آپ سے لڑتا ہو کہہ کے لاحول

زیست ہو جس کی پر از اندیشہ ہائے بیش و کم
ہاتھ دھو بیٹھا وہ لطفِ زندگی سے یکقلم
ناخدا سویا ہوا کالی گھٹا چھائی ہوئی
ورطۂ افکار، طوفانِ حوادث یم بہ یم

یہ پرسکوں، پرور، سکوں آموز رات
یہ حیات سحر آگیں، حیات افروز رات
چاند جھومر، کہکشاں ہے حلق بند
اور خالِ چہرۂ نوروز رات

ناچتا ہے انگلیوں میں خامۂ معجز نما
نامۂ الفت کی لکھی جا رہی تمہید ہے
اُن سے کہہ دینا زبانی بھی مرا حالِ زبوں
میرے اچھے نامہ بر! تاکید ہے تاکید ہے

یہ صحنِ گلستاں یہ چمن زارِ کائنات
فطرت کے میزباں کی انوکھی نوازشات
یہ آسماں کا سبز رنگ، یہ آسماں کی نیلاہٹیں
جی چاہتا ہے گھاس پہ لیٹوں تمام رات

منہ پہ ڈالا ہے عروسِ شام نے کالا نقاب
آرزوئیں خون ہوئیں دن کی یہ ماتم کر گئی
کیا بتا دوں گا حیاتِ آرزو کا اختصار
بحرِ دل سے یہ حباب آسا اُبھر کر مر گئی

مرے خیال کو افکار نے دبوچا ہے
مرے دماغ کے چہرے کو غم نے نوچا ہے
جو ایک لمحہ بھی افکار سے نجات ملی
مرے خیال کو تازہ نئے حیات ملی

دبستانِ محبت میں مرے دل کی نو آموزی
اگر جاری رہی دنیا کو دے گی درسِ جاں سوزی
کسی گم کردہ رہ کی رہبری مقصود تھی شاید
دیا جو کرمکِ شب تاب کو ذوقِ خود افروزی

غار میں خلوت نشینی سے تجھے کیا فائدہ
جو تری خواہش ہو کر لیکن ریا کاری نہ کر
میں بتا دوں گا تجھے مولیٰ کی خوشنودی کا راز
بن کے آقا اُس کے بندوں کی دل آزاری نہ کر

وہ جواں سالی وہ ایّامِ شباب
وہ غرورِ حُسن، وہ رعنائیاں
یہ قُوٰے کا ضعف یہ راہ دراز
یہ وفورِ گنہ یہ یہ نم ناکیاں

ہر طرف جلوہ نما شانِ خداوندی ہے
شبِ تاریک ہے انوار کی دربندی ہے
چادرِ ظلمتِ شب میں ہے عروسِ مہتاب
سُرخئ رنگِ شفق اُس کی حنا بندی ہے

میرے کس کام آئے گی زاہد!
یہ تمہارے ثواب کی دُنیا
خلد کے تم اجارہ دار رہو
ہم کو دے دو عذاب کی دُنیا

قسم کھائی تھی میں نے بھی نہ پینے کی مگر ہم دم
مری توبہ کو توڑا آمدِ فصلِ بہاری نے
عنادل کی خوش الحانی نے، نہروں کی روانی نے
چمن کی گُل فشانی نے، گلوں کی زرنگاری نے

عدو کی خندہ روئی میں خباثت اس کے باطن کی
ببولے کی طرح روئی کے گالے میں نہاں نکلی
مجھے دھوکہ رہا نازک بدن ہیں دل بھی نازک ہے
مگر پوشیدہ اس دیبائے چینی میں چٹاں نکلی

~~~~~~~~

خیال یار جب خاموش راتوں میں ستاتا ہے
دل مجبور روتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے
ابھی معصوم الفت ہو تم ان باتوں کو کیا جانو
محبت کیا بناتی ہے زمانہ کیا سکھاتا ہے

۵۵

میں تمہیں اپنا بناؤں کس طرح
مل سکیں گے دھوپ چھاؤں کس طرح
آپ کہتے ہیں کہ کر ترک وفا
خوب ہے لیکن نبھاؤں کس طرح

~~~~~~~~

وہ جس نے کر لیے ارض و سما لوح و قلم پیدا
اسے کیا مدعا تھا جب کیا تھا اس نے غم پیدا
اسی کو زیست کہتے ہیں اسی کا نام ہے ہستی؟
جو ذکر نیک و بد گذرا تو فکر بیش و کم پیدا

شیر کا کُتّے کے آگے کیسے سر خم ہو سکے

اَے مرے دل کر لے جتنا تجھ سے ماتم ہو سکے
تجھ سے کس نے کی تھی ایسی زندگی کی آرزو
زندگی کم کر الٰہی جس قدر کم ہو سکے

~~~~~~~~~~

خیالِ یار میں قدرت ہے تخلیقِ دو عالم کی
اکیلا ہُوں کے لاکھوں خلوتیں آباد کرتا ہُوں
بُھلاتا ہوں مگر پھر خود فراموشی کے عالم میں
خُدا جانے میں کیوں اس بے وفا کو یاد کرتا ہُوں

۵۷

یہ فصلِ گُل یہ گلستاں پہ سحر کا عالم
یہ گلستاں، یہ چمن، یہ سماں رہے نہ رہے
شباب، کیف، خمار و سُرور کا عالم
رواں، دواں، گذراں، جاوداں رہے نہ رہے

~~~~~~~~~~

دل سے اُٹھی، لب پہ آئی، لڑکھڑا کر گر پڑی
اس سے بہتر اور کیا ہو گا مآلِ التجا
حُسن بے پروا نظر آتا ہے مغرور و متین
مُلتجی کو جب نہیں رہتی مجالِ التجا

ماسوا کے آگے جھکنے سے اُسے انکار تھا
ایسے با اخلاص بندے سے خفا کیوں ہو گئے؟

ظالم و جاہل جو پایا تھا تو نے انساں کا خطاب
پھر اسی مجہول بندے کے خدا کیوں ہو گئے؟

زیست کیا چیز ہے بڑھاپے میں
کیا کشش ہے جہانِ فانی میں!
اب بھی آتا ہے یاد رہ رہ کر
ہم بھی کچھ چیز تھے جوانی میں!

وہ حسیں راتیں وہ دلکش رُت وہ آغازِ بہار
وہ ہجومِ لالہ و گُل وہ ہجومِ شاخسار
وہ سکوتِ شام وہ سرو و تدرو و جوئبار
آہ! وہ پُرکیف شامیں کیا ہوئیں پروردگار!

قمار خانۂ دُنیا کی چال بازی سے
دکھا کے بیٹھا ہوں، ہارا ہوا جواری ہوں
بساطِ زیست پہ ہوں، اک پٹا ہوا مہرہ
شکست خوردہ ہوں، محتاجِ غمگساری ہوں

کیا کروں محفل میں جب وہ رونقِ محفل نہیں

لطفِ سیرِ باغ کیا، جب وہ مہِ کامل نہیں

دل پہ قابو کیا رکھوں، قابو میں اپنا دل نہیں

حاصلِ حسرت سوائے حسرت حاصل نہیں

غمِ اولاد سب پہ بھاری ہے

مرگِ اولاد ضربِ کاری ہے

آج محسوس کر رہا ہوں میں

زندگانی نفس شماری ہے

کچھ نہ تھا اِک مردِ کامل کی نظر کا فیض تھا

منزلِ مقصود پر وارد ہوئے گمراہ بھی

اے دیارِ مصطفےٰ ﷺ اے شوقِ دیدار المدد

میں نے آتش زیرِ پا دیکھی ہے ریگِ راہ بھی

اُتار پھینکی ہے تو نے قبائے زر دوزی

پہن لیا ہے عوض اسکے جامۂ سالوس

ابھی سے دستِ نگر ہے تری رعونت کا

شکوہِ سنجر و شانِ یزید و کیکاؤس

یہ شبِ مہتاب، یہ پانی سے مالا مال جھیل
دامنِ کہسار کا جھرنا عدیلِ سلسبیل
ہر ادا مخمور، ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت
ہر پہاڑی طور، ہر منظر حسیں، ہر شے جمیل

ذلیل تھا ترے ابلیس کی نگاہوں میں
ملائکہ نے کہا تھا کہ یہ فسادی ہے
تری نظر میں ظلوم و جہول تھا انساں
اسی عطا پہ مجھے دعوتِ وفا دی ہے

ہزیمت ہو گئی عہد وفا کو
بہیمیت بھی پہنچی انتہا کو
کھڑی فطرت تماشا دیکھتی ہے
اسی پر ناز ہے میرے خدا کو

تمنائیں ہیں، شکوے ہیں، گلے ہیں
دلوں میں حسرتوں کے قافلے ہیں
یہ کیسی زندگی ہے یا الٰہی
مرے معبود! یہ کیا سلسلے ہیں

وہاں بھی فاقہ کش مزدور ہوں گے
وہاں بھی قیصر و فغفور ہوں گے؟
ترے فردوس میں بھی یا الٰہی
یہی رستے ہوئے ناسور ہوں گے!

تری تجویز تھی مشکل کشائی
مری تعمیل تھی زور آزمائی
غرض ابلیس نے وہ داؤ کھیلا
ہزیمت کھا گئی تیری خدائی

مرے بس میں مری تقدیر ہو گی
نیا نقشہ، نئی تصویر ہو گی
ہلا ڈالوں میں بنیادِ جہاں کو
تو پھر دنیائے نو تعمیر ہو گی

یہ میرے بحر کا ساحل نہیں ہے
یہ میرے عشق کا حاصل نہیں ہے
ذرا سی دیر ستا لوں تو چل دوں
تری دنیا مری منزل نہیں ہے

اگر تو شاعری وہ شاعری ہے
کہ بس الفاظ کی جادوگری ہے
ہم ایسی شاعری سے باز آئے
کہ اصل شاعری پیغمبری ہے

کوئی کہتا ہے اسکو جاودانی
کوئی کہتا ہے فانی ہے جوانی
نہ آگا اس کا ملتا ہے نہ پیچھا
بڑی الجھی ہوئی ہے یہ کہانی

خدا ہے تو ترا رتبہ ہے عالی
نہیں تیرے جہاں میں پائمالی
تری ساری خدائی میں بھی لیکن
نہیں میرے لئے آسودہ حالی؟

غلط ہے تو نے کچھ واپس لیا تھا!
مجھے میری خودی نے ڈس لیا تھا
ترے فردوس کو ٹھکرا کے یا رب!
یہ پھندا میں نے خود ہی کس لیا تھا

نہ قسمت میں حیاتِ جاوداں ہے
نہ اپنے بس میں مرگِ ناگہاں ہے
مری مجبور دُنیا پر مسلّط
اندھیرا ہے، سیاہی ہے، دُھواں ہے

کل اِک امیر دُعا مانگتا تھا مسجد میں
فلک کے نیچے کوئی مجھ سا خوش نصیب نہ ہو
خُدا سے مانگ رہا تھا سڑک پہ گھسیارا
"الٰہی تیرے جہاں میں کوئی غریب نہ ہو"

نہ میری شمع بن کر جل سکو گے
نہ خواب آلودہ آنکھیں مل سکو گے
مری تاریک دُنیا کے مسافر!
اندھیرے میں کہاں تک چل سکو گے؟

ترے دوزخ کی دہشت سے الٰہی!
بہت مرعوب تھی اولادِ آدم
اسی دہشت کو کم کرنے کی خاطر!
بنایا میں نے دُنیا کو جہنّم

کسی نے مے چکاں مُنہ سے کہا ہے
"جوانی کی غزل گا کر سُنا لوُں"
ذرا ٹھیرو - میں دو لمحوں میں جا کر
شبابِ رفتہ کو واپس بُلا لوُں

مصائب کے دہل جاتے ہیں سینے
اجل کے چھُوٹ جاتے ہیں پسینے
اُسے مرنے پہ کیا راضی کرو گے؟
جسے جینا سکھایا ہو کسی نے

تیری دُنیا میں نخوت ہے خودی ہے
زیاں ہے، سُود ہے، نیکی بدی ہے
مری دُنیا ہے میری بے نیازی
یہی میرا سرورِ سرمدی ہے

تری تمجید میں رطب اللساں ہیں
ترے احسان کا دم بھرنے والے
مگر اس بات کو سمجھیں تو کیونکر
تمنّاؤں کا ماتم کرنے والے

جو پورب سے لگا سورج ابھرنے
کہا شبنم کے قطرے سے گہر نے
نہ تھی تجھ میں صلابت موتیوں کی
فنا انجام! کیوں آیا تھا مرنے

کہیں دیر و حرم کی ساحری ہے
کہیں طاقت وروں کی سروری ہے
یہاں بھی لٹ گیا ہوں میں وہاں بھی
خداوندا! یہ کیا غارتگری ہے

کشش کیا ہے جہاں آب و گل میں
حلاوت کیا ہے دردِ جاں گسل میں
میں مرنے سے نہیں ڈرتا ۔ ولیکن
ابھی کچھ حسرتیں باقی ہیں دل میں

وہ پھلواری سے واپس آ رہی ہیں
ہوائیں مل کے دیپک گا رہی ہیں
فضائیں نکہتیں برسا رہی ہیں
ادائیں خود بخود شرما رہی ہیں

مرے کشمیر کی ہر شے حسیں ہے
یہاں کی ہر پہاڑی نازنیں ہے
فلک پر اس زمیں کی سرزمیں ہے
فلک خود جھیل ڈل میں تہ نشیں ہے
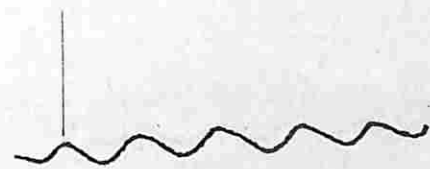
~~~~~~

کسی نمرود کا آذر نہیں ہوں
خلیل اللہ ہوں بت گر نہیں ہوں
کوئی اس سنگدل سے جا کے کہہ دے
کہ میں پتھر کا سوداگر نہیں ہوں

۷۵

دوشالہ اوڑھ کر پاؤں سے سر تک
مری بیگم مزے میں سو رہی تھی
میں ساری رات انگاروں پہ لوٹا
مری بھُو کی پڑوسن رو رہی تھی

~~~~~~

مرے نغموں کی موسیقار تم ہو
مری دیپک، مری ملہار تم ہو
میں فواروں میں کر لوں گا چراغاں
کہ میری شام شالامار تم ہو

نغمات

نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دمِ نیم سوز کو طایرکِ بہار کر

(۱)

گو عمر کٹی یاس میں دل غم سے مکدر ہو نہ سکا
ایماں میں تزلزل آ نہ سکا، دامانِ وفا تر ہو نہ سکا
ہر چند کہ طوفانوں سے لڑا، سیلاب سے الجھا، یم میں پلا
پیغمبر طوفاں نوحؑ، مگر اشکوں میں شناور ہو نہ سکا
از بسکہ چمن زاروں میں پلا، صحرا میں اُگا، جنگل میں بڑھا
اُس قد کے برابر سرو سہی شمشاد و صنوبر ہو نہ سکا
بجھ بجھ کے جلا، جل جل کے بجھا، جی جی کے مرا، مر مر کے جیا
خورشید منور پھر بھی مگر اُس بت کے برابر ہو نہ سکا
جس قرب پہ نوری نازاں ہیں وہ قرب ہمیں بھی حاصل تھا
ہم قرب کو لیکر کیا کرتے جب غم ہی میسر ہو نہ سکا

ہر چند کہ تیری دنیا میں مجبور رہیں ہم مختار رہے
جو ہم نے زمیں پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا
کشمیر کا رہنے والا ہوں، اردوئے معلّی لکھتا ہوں
اس سرزمیں میں مجھ سا کوئی بھی اردو کا سخنور ہو نہ سکا

(۲)

تشہیر ہو رہی تھی خمِ زلفِ یار کی
تصویر کھنچ گئی شبِ تارِ بہار کی
اتنا تو ہو گیا کہ ہوئے وہ بھی بے قرار
رُوداد سنتے سنتے دلِ بیقرار کی
شیریں بنی وصالِ مسلّم! مگر ندیم!
تلخی لطیف تر تھی شبِ انتظار کی

کل کہہ رہا تھا پیرِ مغاں بادہ خوار سے
دنیا ہے اعتبار نہیں اعتبار کی

اب بھی کبھی کبھی نظر آتی ہے خواب میں
تصویر اس عزیزِ تغافل شعار کی

سرمایۂ نشاط نہیں حسنِ بے ثبات
جی چاہتا ہے شکل نہ دیکھوں بہار کی

(۳)

سر کو جنبش سی ہوئی چہرے سے زلفیں ہٹ گئیں
شام نے اک جھرجھری سی لی، سویرا ہو گیا

دور تا حدِّ نظر میری نظر تھی ہمرکاب
لوٹ کیا آئی، اجالے میں اندھیرا ہو گیا

جادۂ الفت میں منزل کا تعین کیا کریں
جب مسافر ہار کر بیٹھا، بسیرا ہو گیا

اک نگاہِ ناز نے جھگڑے چکا ڈالے تمام
میں بھی تیرا ہو گیا، میرا بھی تیرا ہو گیا

(۴)

آیا تھا مسلسل غم و اندوہ سے گھر یاد
وحشت میں مگر کس کو رہا وقتِ سفر یاد

پھر بے خودئ شوق میں ہیں ہوش و خرد گم
ہر بات فراموش، نہ دیوار نہ در یاد

گو کوششِ پیہم سے فراموش ہوئی ہے
آتی ہے وہی بات بہ اندازِ دگر یاد

میثاقِ محبت پہ نہ اِترا دلِ نادان !
ماضی کی مدارات، گئی بات، نہ کر یاد

(۵)

جو کبھی خوشی کو نہ پا سکا، میں اُسی کے دل کا ملال ہوں
جو نکل سکا نہ دماغ سے، میں وہ زنگ خوردہ خیال ہوں
جو کسی کا دل نہ لبھا سکا میں وہ تلخ و تند جواب ہوں
جو کبھی زباں نہ ہلا سکا، میں اُسی کا حرفِ سوال ہوں
میں تلاشِ حق میں کہاں پھروں کہ خدا کا گھر مرے دل میں ہے
میں طوافِ کعبہ کہاں کروں کہ میں خود حریمِ وصال ہوں
مری زندگی کے حصول میں بھی تقاضائے حیات ہے
کہیں درد دل کا علاج ہوں کہیں بے نوا کا منال ہوں

وہ بروزِ ابنِ زیاد کا جو مری فنا کا سبب بنا
نہ پنپ سکے گا خدا گواہ، میں اگر حسینؑ کی آل ہوں

(۶)

ترے افلاک کی وسعت کو میں خاطر میں کیا لاؤں
کہ میرا دل بھی دیوانہ، مری فطرت بھی دیوانی
چمکتا ہے، لکھا ہے جس کی قسمت میں چمک اُٹھنا
نمایاں پردۂ شب میں بھی ہے تاروں کی تابانی
اگر واقف نہیں ہے خانہ ویرانی کی لذت سے
تو آ کر سیکھ لے ہم سے ہما آدابِ ویرانی
کبھی اتنا بھی پوچھا تو نے اے محوِ خود آرائی!
کہ میں نے کیوں کیا زیبِ بدن ملبوسِ عریانی

مری برگشتہ بختی کا تماشا دیکھنے والے!
تجھے اے کاش داتا دے مرا ذوقِ تن آسانی
چمن ہو، فصلِ گل ہو، ابر ہو، ساقی ہو، بادہ ہو
مرے پہلو میں تو بھی ہو تو پھر دنیا نہیں فانی
نہیں ہے میری قسمت میں اگر دولت تو کیا غم ہے
مرے داتا نے بخشا ہے مجھے گنجِ سخن دانی

(۷)

اُس شوخ کو کیا دیکھا، آنکھوں میں سمٹ آئی
شیراز کی شادابی، کشمیر کی رعنائی
رہ رہ کے مرے دل میں اک درد سا اُٹھتا ہے
آ اپنے لبوں سے دے پیغامِ مسیحائی

ہر شے کی محفوری میں جھکوا دیا سر میرا
اے ذوقِ جبیں سائی! اے لذتِ رسوائی
شرمندۂ الفت ہوں، رسوائے محبت ہوں
دامن میں چھپا مجھ کو اے گوشۂ تنہائی
سوکھا ہوا سبزہ ہوں گلزارِ محبت کا
کب سایہ فگن ہوگا وہ سروِ دلارائی
پاگل ہوں کہ فرزانہ، میں خود بھی نہیں سمجھا
"اے عشق چہ میگوئی، اے عقل چہ فرمائی"؟

(۸)

بدن مرتعش روح میں سنسنی ہے
اجل کے فرشتو! یہی جاں کنی ہے

مجھے بے طلب زندگی دینے والے!
یہ احسان تیرا نہیں، دشمنی ہے
یہاں چارہ گر سوچتا ہے مداوا
وہاں درد و درماں میں باہم ٹھنی ہے
بگڑتی ہے بن بن کے قسمت ہماری
نہ کل تک بنے گی نہ اب تک بنی ہے
وہاں زاہدِ خشک کو کیا ملے گا؟
سزاوارِ رحمت تو تر دامنی ہے
نہ پیتا ہے خود اور نہ دیتا ہے پینے
یہ واعظ خدا کی قسم کشتنی ہے
نہ پوچھو مرے دل کی حالت نہ پوچھو
یہ ناگفتنی ہے یہ ناگفتنی ہے

مجھے تم سے یا رب شکایت یہی ہے
یہاں فقر کے بھیس میں رہزنی ہے
کہاں میں؟ کہاں نغمۂ زندگانی؟
مرے روپ میں جلوہ فرما غنی ہے

(۹)

کاش! یہ نکتہ سمجھ جائیں جوانانِ عزیز
جب گئی عزت تو پھر بیجان ہے جانِ عزیز
اتنی بدنامی نہ ہو جاتی زلیخا کی۔ اگر
چاک اس نے کر لیا ہوتا گریبانِ عزیز
مرے ہونٹوں پر نہیں نالہ ہائے سوزِ غم
لب پہ اگر خیمہ زن ہے شکرِ جانِ عزیز

ماہِ کنعاں مردمِ چشمِ زلیخا ہو تو ہو
بن نہیں سکتا مگر شمعِ شبستانِ عزیز
میں ابھی آنکھیں ہی مَلتا ہوں خمارِ خواب سے
منزلِ مقصود پر پہنچے بھی یارانِ عزیز

(۱۰)

زندگانی تشنۂ تکمیل ہے تیرے بغیر
دُر خزف ریزہ، ہما اک چیل ہے تیرے بغیر
اسطرح وابستہ ہوں تجھ سے کہ میری موت کو
جان لینے میں بھی قال و قیل ہے تیرے بغیر
باغ میں میرے لئے سامانِ دلچسپی ہے کیا
صوتِ بلبل، صورِ اسرافیل ہے تیرے بغیر

میری ہمت کی رسائی کیا تمہارے ہجر میں
پرِ شکستہ جانورِ جبریل ہے تیرے بغیر
شامِ غم کی ظلمتوں میں دیکھ اے شمعِ حیات!
زندگی خاموش سی قندیل ہے تیرے بغیر

(۱۱)

دل کسی کی زلفِ پیچاں میں حمایل ہو گیا
طایرِ آزاد پابندِ سلاسل ہو گیا
کشمکش کی زندگی میں گو مگو کی احتیاط
آدمی مر مر کے ہی جینے کے قابل ہو گیا
آگ کی حدت، خلش کانٹے کی، پارے کی تڑپ
یہ مرکب جب ہوا پہلو نشیں، دل ہو گیا

بخت ناقص جام، زلفِ یار، شبہائے بہار
ان کا جوہر حل ہوا باہم تو قاتل ہو گیا
با وجودِ سخت جانی اے نگاہِ نازِ یار
تیرے تیرِ نیم کش کا میں بھی گھایل ہو گیا

(۱۲)

گوشت کا ٹکڑا ہے جس دل کی خلش کامل نہیں
درد کی جس دل میں گنجایش نہیں، وہ دل نہیں
اے دلِ اندوہ گیں! تو نے مجھے عاجز کیا
میرے پہلو سے نکل جا تو مرے قابل نہیں
طُور پر کیا چیز دیکھی تھی کلیم اللہؑ نے
اس طرح بیہوش ہو جانے کے ہم قایل نہیں

کاش! ایسے روز آ جائیں پلٹ کر بار بار
فکرِ فردا عشرتِ امروز میں شامل نہیں
رات دہشت ناک، طوفانِ حوادث یم بہ یم
فطرتِ بے باک کو اندیشۂ ساحل نہیں
میں شریکِ محفلِ احباب ہو سکتا نہیں
زینتِ محفل اگر وہ رونقِ محفل نہیں
موردِ لعنت کیا ہے تو نے کیوں ابلیس کو
وہ تو آدم کی طرح ظالم نہیں، جاہل نہیں

(۱۳)

اب کس کو یقیں آئے جو چیز ہے فانی ہے
پیغامِ محبت ہے اور اُن کی زبانی ہے

دو روز کے جینے میں برسوں کی جگر کاوی
ناکام جوانی کی یہ رام کہانی ہے
اک بار مجھے گھورا اُس مستِ ترنّم نے
اس دن سے طبیعت میں دریا کی روانی ہے
واعظ! نہ ستا مجھ کو، مجبور نہ کر مجھ کو
تھوڑی سی میں پی لوں گا تم سمجھو کہ پانی ہے
لے دے کے مرے تن میں اک درد بھرا دل تھا
محفوظ اُسے رکھنا، یہ میری نشانی ہے

(۱۴)

ساقی کی مست آنکھیں خمخانہ زندگی کا
چشمِ سیہ کی گردش پیمانہ زندگی کا

جل کر ہوئی ہے مٹی، محفل میں شمعِ محفل
پروانہ لے کے نکلا، پروانہ زندگی کا
افکارِ زندگی کا شیرازہ منتشر ہے
اب تک ہے نامکمّل افسانہ زندگی کا
دو دن کی زندگانی، سو سال کے ارادے
دیوانہ ہو گیا ہے، دیوانہ زندگی کا

(۱۵)

محبوب کے ہونٹوں پہ سیلابِ تبسّم ہے
یا نور کے دریا کی موجوں میں تلاطم ہے
اب خوب گذرتی ہے انجام خدا جانے
ہر سانس میں نغمہ ہے ہر لے میں ترنّم ہے

دل ڈٹ کے مقابل ہے آلام و مصائب سے
گویا کہ چٹانوں سے لہروں کا تصادم ہے

دُنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پہ بنیادِ تکلم ہے

جب جنتِ ارضی میں آرام نہیں ملتا
پھر خلدِ بریں کیا ہے واعظ کا توہم ہے

(۱۶)

محبت زندگی اور زندگی غم ہوتی جاتی ہے
خوشی تحلیل ہو کر غم میں مدغم ہوتی جاتی ہے
کسی کی دل نشیں تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
اجل نزدیک شمعِ زیست مدھم ہوتی جاتی ہے

وہ دعوے کیا ہوئے اُن سے نہ بولینگے نہ چالینگے
بہ گردن سامنا ہوتے ہی کیوں خم ہوتی جاتی ہے
مثل مشہور ہے ہر درد کا درماں زمانہ ہے
خلش موجود رہتی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے

(۱۷)

ہم اپنے گھر کو آگ لگا کر چلے گئے
احباب آئے سوگ منا کر چلے گئے
سوتے میں روئے ناز دکھا کر چلے گئے
سویا ہوا نصیب جگا کر چلے گئے
محشر خرامیوں میں کسی کی نہاں ہے حشر
چلتے تھے کہ حشر بپا کر چلے گئے

رگ رگ میں کر چکے وہ سرایت برنگِ خوں
آنکھوں کی پتلیوں میں سما کر چلے گئے

یوسف جمال ہو کہ زلیخا مثال ہو
دونوں کو ہم سلام بجا کر چلے گئے

(۱۸)

کسی کی یاد سے روشن ہے میرے دل کا کاشانہ
کبھی بجلی چمکتی ہے کبھی جلتا ہے پروانہ

مری مایوسیوں میں بس رہی ہے اس کی دنیا
مری دیوانگی سے بہرہ ور ہوتا ہے فرزانہ

تمہارا راز بھی تیری طرح خلوت نشیں نکلا
جبھی اس کو پسند آیا مرے دل کا نہاں خانہ

کبھی کے مر چکے ہیں زندگی کا منہ چڑاتے ہیں
نہ ساقی ہے نہ پیمانہ، نہ محفل ہے نہ میخانہ

جوابِ خط ذرا تفصیل سے لکھنے لگا ہوں میں
بہت دلچسپ ہے سن لو مرا پُر درد افسانہ

وہ آئی مسکراہٹ میرے بے رونق سے چہرے پر
وہ گورستاں پہ چمکا، چودھویں کا چاند مستانہ

(۱۹)

کام کس وقت کریں گے وہ دلارائی کا
ان کو چھوڑے بھی کبھی خبطِ خود آرائی کا

آبروِ باختگاں میں مری عزت ہے بڑی
ان کو چھوڑوں گا تو اندیشہ ہے رسوائی کا

موت کو تُو نے دیا درسِ صبا رفتاری
گلہ اے عمر! نہ کر اسکی سُبک پائی کا
شغل مے چھوٹ گیا، بزمِ احبا ٹوٹی
ہم نے بھی ترک کیا شغل جبیں سائی کا
ہم فقیر دل کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
آؤ ہم عزم کریں بادیہ پیمائی کا

(۲۰)

بہار آئی ہوئی تھی صحنِ گلشن عنبر افشاں تھا
قفس کی چار دیواری نہایت سخت جاں نکلی
خیال آیا تھا اپنا دل کسی کی نذر کر دیں گے
مگر دیکھا تو تیری یاد اسکی پاسباں نکلی

گنہ سمجھا گیا اُس پر بہانا چار آنسو کا
مرے دل کی تمنا کس قدر بے خانماں نکلی
میں سمجھا تھا کہ بلبل عشقِ گُل میں جان دیتی ہے
مگر یہ بھی ہماری حسرتوں کی نوحہ خواں نکلی
میں اپنی ہمتِ مردانہ کا ممنونِ احساں ہوں
رہی پیرِ خرد کی ہم نشیں پھر بھی جواں نکلی
میں اسکی جستجو کرتا رہا مٹی کے تُودوں میں
تخیل کی بلندی محوِ سیرِ لامکاں نکلی

(۲۱)

کل رات یہ کانا پھوسی تھی آکاش پہ باہم تاروں میں
بیداریٔ شب کی لذت کا چرچا نہیں دُنیا داروں میں

وہ گھور اندھیرا کیا جانے، وہ ہنستا سویرا کیا جانے
جو آٹھ پہر کرتا رہتا ہے اللہ اللہ غاروں میں

میں موت کے نغمے سن سن کر اس ساز سے گھبرا اٹھتا ہوں
کیا زہر بھرا ہے مطرب نے اس ساز کے ٹوٹے تاروں میں

فغفور کی خاقانی نہ رہی، پرویز کی سلطانی نہ رہی
فرہاد کی نادانی سے مچی افراتفری درباروں میں

زندگی کے قمار خانے میں
کون جیتا ہے کون ہارا ہے؟

موت دیتی ہے کشمکش سے نجات
موت مجبور کا سہارا ہے

اس دہکتے عذار پر آنسو
شفقِ شام میں ستارا ہے

ان کی چوکھٹ مری جبینِ نیاز
اس تجارت میں کیا خسارا ہے

جتنے چاہو مجھے کچوکے دو
دل نہیں دوست! سنگِ خارا ہے

آیات

آیۂ کائنات کا معنئ دیریاب تُو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو

(اقبالؒ)

۱- برگِ سبز

(۱)

نازہا دارم کہ دل دارم توئی

یا رسولُ اللہ مددگارم توئی

از غمِ دُنیا و از فکرِ معاد

غافلم دانم کہ غمخوارم توئی

خفتہ ام در سایۂ دیوارِ تو

یا محمد بختِ بیدارم توئی

چُوں کنم اندیشۂ سُود و زیاں

اندکم شادم کہ بسیارم توئی

منّتِ ساحل کشیدن الہی ست

کشتی و دریائے ذخّارم توئی

از نگاہم لرزہ گیرد آفتاب

جلوہ فرما در شبِ تارم توئی

کعبۂ تعمیر کُن از خاکِ من

پُورِ ابراہیم! معمارم توئی

(۲)

رونقِ بازارِ امکانم توئی

کعبۂ شوقِ قرارم توئی

جلوۂ پیدا و پنہانم توئی

شعلۂ شمعِ شبستانم توئی

عشق بے پروائے من گرمِ سفر
کشتی و گرداب و طوفانم توئی

تو مرا آموختی رمزِ حیات
جسم و جانم دین و ایمانم توئی

آبروئے ما ز نامِ پاکِ تست
تابِ گیسوئے پریشانم توئی

لا و الّا را نمی دانم کہ چیست
ہرچہ آید در نظر دانم توئی

۲- بانگِ درا

پو پھٹنے لگی، دور ہوئی شب کی سیاہی
دینے لگے مرغانِ سحر حق کی گواہی

ساگرنے لگے پیرانِ حرم یادِ الٰہی
میدان میں آیا ہے کمر بستہ سپاہی
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دور

دشوارئ منزل ہے عزیزوں کی نظر میں
لٹ جاتے ہیں احباب اسی راہ گذر میں
ہر وقت ہے اندیشہ لٹیروں کا سفر میں
لٹکائے چلو خنجر و شمشیر کمر میں
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دور

منزل پہ پہنچ بھی گئے یارانِ سبک پے
جو راستے دشوار تھے ہمت نے کئے طے
پیچھے نہ رہو، راہ خطرناک بہت ہے
ہے قافلہ سالار کی آواز پیاپے

جاگ اُٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دُور

دیتی ہے یہ پیغام تمہیں بادِ بہاری
پُر نکہتِ گل مشرق و مغرب [illegible] ہماری
اک لمحہ بھی بیکار نہیں اس کی سواری
سب مل کے اُٹھو کوچ کی کر لیں کے تیاری
جاگ اُٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دُور

۳ - ایک اندھی لڑکی کی دُعا

تُو نے تاروں کو ضیا بخشی ہے سورج کو جمال
بارشِ انوار سے دُنیا کی کھیتی ہے نہال
نورپاشی میں قمر ہے آپ ہی اپنی مثال
مجھ کو ان چیزوں کی کچھ خواہش نہیں اے ذوالجلال
یہ تمنا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

شوق آتی ہوں کہ کھلتے ہیں چمن میں لالہ زار
رفتہ رفتہ گل پہ رنگ لاتی ہے ساون کی پھوار
تازگی سی روح میں بھرتا ہے کلیوں کا نکھار
پر نہیں اپنی [illegible] پروردگار
یہ تمنا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

لوگ کہتے ہیں کہ رنگوں کی کئی اقسام ہیں
سُرخ ہیں، کالے ہیں، پیلے اور نیلی تمام ہیں
اور ان رنگوں سے البتہ ہزاروں کام ہیں
مجھ کو کیا؟ یہ آنکھ والوں کیلئے انعام ہیں
یہ تمنا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

میری آنکھوں کو بصارت کی ہوس اصلا نہیں
بے بصر ہوں میں، مگر اس کی مجھے پروا نہیں

١٠۔ تُو نے سمجھا ہے میں عاجز ہُوں مگر ایسا نہیں
مُجھ کو ہر گز آرزوئے دیدۂ بینا نہیں
یہ تمنّا ہے کہ اپنی ماں کی صُورت دیکھ لُوں

۴۔ آمدِ بہار

چشمۂ کم آب کو قُلزُم کی ارزانی ملی
قدِ آدم آبشاروں کو دُرخشانی ملی
پڑ گیا سنجاب کا پردہ بساطِ خاک پر
پھر زمیں ہونے لگی ہے خندہ زن افلاک پر
قلّۂ کُہسار سرتاپا چنبیل و برف پوش
دامنِ کُہسار پر گُل اور ہوا ریحاں فروش

ہر قدم پر لالہ و گُل سے نگاہیں کامیاب
سنبل و ریحاں امینِ شوخیِ عہدِ شباب
گُلستانوں میں سمٹ آئی ہے ساری کائنات
ذرّہ ذرّہ میں نمایاں ہیں علاماتِ حیات
باغ کی مہکی فضا میں ماہ پاروں کا ہجُوم
یہ نجُومِ آسمانِ حُسن وہ ارضُ النُّجُوم
وہ کہ جن کی دید سے ذوقِ تماشا مست ہے
رُوح کو آسُودگی ہے چشمِ بینا مست ہے
وہ کہ جن کے دم سے تاباں ہے حیاتِ مُستعار
وہ کہ جن کی ذات سے قائم ہے فطرت کا وقار
یہ ادائیں ناز پرور یہ ہوائیں عطر بیز
کاش! اِس دلکش سماں میں وہ بھی ہوتے جلوہ ریز

۵ - استفسار

کیا اب بھی یاد ہے تمہیں وہ خوشگوار شام
پورب سے ہولے ہولے جو ابھرا مہِ تمام
دونوں تھے ہم خموش۔ خدا جانے کتنی دور
تھا باغ کی روش پہ عنادل کا ازدحام

(۲)

سارا جہاں خموش، زمیں آسماں خموش
طائر بہ مثالِ تمکنت آشیاں، خموش
رنگیں کلی خموش، گلِ بوستاں خموش
گلچیں ادھر خموش، ادھر باغباں خموش

(۳)

ناگاہ تو نے میری طرف کی نگاہِ ناز
میں نے بصد نیاز جھکایا سرِ نیاز
گو تھی لبوں پہ مہرِ خموشی لگی ہوئی
آنکھوں نے بے نقاب کئے دو دلوں کے راز

---

۶ - ایک شرابی کے تاثرات

جاں وقفِ صعوبت ہے دل نذرِ کدورت ہے
دل کس نے کہا گویا آلام کی مورت ہے
آزار سے بچنے کی بس ایک ہی صورت ہے
لے جام گھڑی شب ہے اور نیک مہورت ہے
حساس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

ناصح! نہ ستا مجھ کو پہلو میں مرے دل ہے
جو غم کے تسلسل سے پابندِ سلاسل ہے
اس حال میں خوش رہنا میرے لئے مشکل ہے
تھوڑی سی میں پی لوں گا گو زہر ہلاہل ہے
حسّاس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

کچھ دل میں نہیں زندہ رہنے کی ہوس باقی
زنگار سے آلودہ ہے روح کی برّاقی
ہے ہوش میں افزوں تر انساں کی بد اخلاقی
میں ہوش سے باز آیا اک جام پلا ساقی
حسّاس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

میں بادۂ خالص کی امید پہ جیتا ہوں
ہر جام کی رنگینی میں سوزش سہتا ہوں

غافل ہوں خدا سے بھی بدذاتی نہ سیتا ہوں
کم بخت شرابی ہوں، افراط سے پیتا ہوں
حسّاس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

۷۔ شرابی کا ترانہ

توہّمات سے دامن بچا کے پیتا ہوں
تعلّقات کے جھگڑے مٹا کے پیتا ہوں
تکلّفات سے آنکھیں چرا کے پیتا ہوں
تفکّرات کو ٹھوکر لگا کے پیتا ہوں
غرورِ زہد کو آنکھیں دکھا کے پیتا ہوں
مری نگاہ میں انجام زندگانی ہے
میں جانتا ہوں کہ دنیا سرائے فانی ہے

کہیں عذاب، کہیں مرگِ ناگہانی ہے
شبِ درازِ عدم حاصلِ جوانی ہے
نظامِ زیست کو یکسر بھلا کے پیتا ہوں

اگر میں اپنے خیالوں کو بے نقاب کروں
جہاں میں کون ہے جس کو نہ لاجواب کروں
مگر فضول کسی سے میں کیوں خطاب کروں
میں زندگی کے لئے زندگی خراب کروں
فرشتگانِ ازل کو بلا کے پیتا ہوں

یہاں وہ دل ہے ہمیشہ جو پاکباز رہا
نیاز مند رہا بے نیازِ ناز رہا
نہ اس کا فردِ عمل میں آشیانہ رہا
نہ بندگانِ خدا پہ خیال دراز رہا

تمام کانٹوں سے دامن بچا کے پیتا ہوں

٨ — دیوالیہ

ٹھنڈے ٹھنڈے دل ہیں انکے گویا برف کی قاشیں ہیں
اُجلی اُجلی پوشاکوں میں چلتی پھرتی لاشیں ہیں
ذوقِ نظر سے خالی خالی، عشق سے کالے کوسوں دور
ان کی یہ بیزار نگاہیں یاس بھری غم سے بھرپور
کھوٹ دلوں میں، جھوٹ لبوں پر، قول سے انکے فعل جدا
صبح کو یزداں، شام کو شیطاں، رات سے دن کے فعل جدا
سینوں میں بیمار ارادے، آنکھوں میں بے سوز نظر
اُجڑی اُجڑی دنیا کی، لعنت ایسی دنیا پر

خورد و کلاں کو پیٹ کا دھندا چاروں جانب فکرِ معاش
قوم کا نصب العین ہے روٹی، مذہب ہے روٹی کا تلاش

پست ارادے اُنکے دلوں کے سُست عزائم سینوں کے
چیلوں سے بھی پست نظر ہیں لختِ جگر شاہینوں کے

راتیں کالی کالی دن بھی کالا کالا ہوتا ہے
کوئی اور ہی دُنیا ہوگی جس میں اُجالا ہوتا ہے

خُون خرابہ، دھینگا مُشتی، دھکم دھکا، چیخم دھاڑ
اس کو نتارا، اُس کو پچھاڑا، مجھ سے لڑائی، تجھ سے بگاڑ

بغض و عداوت، رشک و رقابت، آپا دھاپی، ہر سُو چیخ پُکار
ابلیسوں کے چیلے چانٹے، شیطانوں کے برخوردار

۹۔ مُغالطہ

دوست کو دُشمن، عدو کو رازداں سمجھا تھا میں
رہزنِ عقل و خرد کو پاسباں سمجھا تھا میں

چار دیواری قفس کی تیرہ و تاریک و تار
اپنی نادانی سے جس کو آشیاں سمجھا تھا میں

زندگی ثابت ہوئی مرگِ مسلسل وقتِ نزع
اسکو پہلے ہی سمجھنا تھا کہاں سمجھا تھا میں

رہ پڑی مرگِ تمنّا پر یہ ساری کائنات
جس کو اپنے زعم میں بے خانماں سمجھا تھا میں

بند آنکھیں ہو گئیں یک لخت آنکھیں کھل گئیں
زندگی تھی جس کو مرگِ ناگہاں سمجھا تھا میں

طالب و مطلوب میں حایل تھی دیوارِ وجود
موت تھی جس کو حیاتِ جاوداں سمجھا تھا میں

عقلِ دُور اندیش ثابت ہو گئی کوتہ نظر
نفع کو نقصان، حقیقت کو گماں سمجھا تھا میں

علم نے مجھ کو حقیقت سے کیا نا آشنا
ایک رہزن کو امیرِ کارواں سمجھا تھا میں

اک اشارے میں سمجھا دیتی ہیں اسرار و رموز
وہ نگاہیں جن کو بالکل بے زباں سمجھا تھا میں

الغرض! میرا تصور سب غلط ثابت ہوا
اور میں سمجھا غلط تھا، جب غلط ثابت ہوا

۱۰۔ مُہلت

چند روز اور مجھے جینے دے

نیند کے نرم و سُبک سائے میں چند روز اور بسر کرنے دے
زُلفِ شبگوں کی حسیں وادی ہیں پھر تخیّل کو سفر کرنے دے

غالباً دیکھ سکونگا میں بھی اپنی بیزار نگاہوں کا کمال
غالباً تشنۂ دیدار آنکھیں دیکھ لیں گی کسی کافر کا جمال

تُم مری بات سمجھ سکتے ہو؟ ساکنِ عرش خلش کیا جانے!
پیکرِ آب و گِل آتش بکنار پیکرِ نور تپش کیا جانے!

اُس نے تاکا ہے کئی بار مجھے اپنی آنکھوں کی کمیں گاہوں سے
چند روز اور مجھے جینے دے وہ پھر آئے گی انہی راہوں سے

کاش! تقدیر اُسے لے آئے اور تو زیر نگیں ہو جائے

اور یہ تیرے تقدّس کا محل یک قلم فرشِ زمیں ہو جائے

چند روز اور مجھے جینے دے

تاثراتِ یزید

۱۔ واقعۂ کربلا کے بعد

اچھا ہُوا حُسینؑ جو یوں سر کٹا ہُوا

خوش ہُوں کہ خاندانِ نبُوّت تلف ہُوا

مضبُوط سامراج کی بُنیاد ہو گئی

یزدانیت فنا ہوئی، برباد ہو گئی

یزدان و اہرمن کا ازل سے تضاد ہے

ابلیس کی قسم کہ خُدا نامُراد ہے

یزدانیوں کی قسمت دیرینہ ہے شکست

خرم کسے کہ فطرت او ظالم و بد است

(۲)

لیکن یہ ایک فکر۔ کہ مسلک یزید کا

پائندہ تر ہے یا کہ تحمُّل شہید کا

زندہ رہے گی طاقتِ طاغوت و اہرمن

یا پھر ابھر اُٹھیں گے محبّانِ پنج تن

ماتم کریں گے لوگ حُسینِ شہید کا

ڈنکا بجے گا یا کہ جلالِ یزید کا

جس باغ پر نبیؐ نے مشقّت کی سال و ماہ

میں نے وہ باغ چشم زدن میں کیا تباہ

سینوں میں جن کے آتشِ توحید تھی نہاں
چُن چُن کے میں نے ذبح کیا اُن کو بے گماں

ڈر ہے یہ آگ پھر سے نہ ہو جائے مُشتعل
یہ ایک فکر ہے کہ پھٹا جا رہا ہے دل

ابلیس کی شکست شکستِ یزید ہے
شیطاں کا اقتدار بدستِ یزید ہے

۱۳۔ ایک سرپھرے افسر کے نام

جب سے میں پیدا ہُوا تب سے برابر آج تک
اپنے مالک، اپنے ان داتا کا نافرماں رہا
اس کی قُدرت کو رُلایا گو مرے اعمال نے
پھر بھی اس کا فضل تھا، رہا [illegible]

(۲)

اپنے بندوں پر نہایت مہرباں ہے کردگار
کوئی بدعنوانیاں کرتا رہے - پروا نہیں
تو اگر ہوتا معاذ اللہ! خُدائے کارساز
کوئی تیرے ہاتھ سے بچ کر نکل سکتا نہیں

(۳)

رزق کی کُنجی نہیں ہے گو تمہارے ہاتھ میں
پھر بھی دھوکہ ہے تجھے دُنیا تری مُحتاج ہے
مجھ کو گیدڑ بھبکیوں سے تو ڈرا سکتا نہیں
شیر ہو لی ہوں مرے سر پر خودی کا تاج ہے

۱۳۔ تمنّا

خدائے پاک جو مُردوں کو جان دیتا ہے
ہوا لہو زرد شرہشت کو نشان دیتا ہے
اسیرِ غم کو جو غم سے خلاص کرتا ہے
جو ایک عام کو دم بھر میں خاص کرتا ہے
جو رزق دیتا ہے اور بے حساب دیتا ہے
لہو کو گرمیٔ عہدِ شباب دیتا ہے
اگر وہ مجھ سے رضامند ہو کے فرمائے
کہ مجھ سے مانگ کے لے تیرے جی میں جو آئے
میں اپنے دل کی تمنّا بیان کر لوں گا
دلِ ستم زدہ کو شادماں کر لوں گا

دُعا نہیں کہ مجھے عُمرِ جاودانی دے
بس ایک بات کہ کھوئی ہوئی جوانی دے

~~~~~~~~

۱۴۔ سید ضمیر جعفری

(مُلاقاتِ اوّل کے تاثُرات)

وہ دلپذیر متانت کا رنگ باتوں میں
وہ دل نواز ادا بے درنگ باتوں میں
تکلُّفات سے برتر، تصنُّعات سے دُور
جہانِ مہر و وفا، کائناتِ ذوق و شعُور
ترا کلام فرشتوں کے نغمہ ہائے لطیف
وہ تیری طرزِ ادا، مطربِ فلک بھی خفیف
~~~~~~~~

کہیں شباب کا (اندھے شباب کا) طوفاں
کہیں دیہات کا (سادہ دیہات کا) رومال
کہیں وطن کا ترانہ زیورِ آزادی
کہیں غریب کی غربت کا نقش فریادی
وہ چند لمحے جو یکجا تھے ہم، نہ بھولوں گا
وہ چند لمحے، خدا کی قسم، نہ بھولوں گا

۱۵- ایک ترجمہ

چاند

(شیلے کی ایک نظم کا آزاد ترجمہ)

زرد سے پیلی پڑی اک پیکرِ حسن و شباب
جس کے دل میں شعلہ پرور رہے جنوں کا التہاب

پھر رہی ہے منہ پہ ڈالے پتلے ململ کا نقاب
شدتِ آزار سے کمرے میں رہتا ہے عذاب
اسطرح دھندلے اُفق سے بڑھ چلا ہے ماہتاب

(۲)

آسماں کی رہ نوردی سے تجھے انکار ہے
یا زمیں پر دیکھتے رہنا تجھے دشوار ہے
صحبتِ ناجنس ہے انجم سے ملنا عار ہے
یا وفا کی جستجو میں زار ہے بیمار ہے
زرد ہے رُخ سے ہویدا کچھ نہ کچھ آزار ہے

۱۶۔ مزارِ دوست

آج سے دو سال پہلے تو مری محفل میں تھا
موج زن اک بحرِ احساسات میرے دل میں تھا
چاندنی چھٹکی ہوئی تھی دل میں اطمینان تھا
آسماں واقف نہ تھا، تو تھا مرا ایمان تھا
فرشِ مخمل پر میں لیٹا تھا تمہارے سامنے
یک بیک تجھ کو اڑایا گردشِ ایام نے
آج بھی باغوں میں ہے طوفان موج و رنگ و بو
شبنم میں بڑھتا ہے حسن کو دیکھ کر سیرِ گُل لہو

آج بھی کلیوں سے کرتی ہیں ہوائیں چھیڑ چھاڑ
آج بھی سیماب کے چشمے اگلتے ہیں پہاڑ
چاند کرتا ہے فلک پر آج بھی ضو بازیاں
آسماں پر خندہ زن ہیں کہکشاں کی دھاریاں
بے خبر ہے تو مگر کنجِ لحد میں محوِ خواب
دیدۂ عبرت میں رقصاں ہے جہاں کا انقلاب
آج پھر اے دوست! تیری قبر پر آیا ہوں میں
موتیوں کا ہار تیری نذر کو لایا ہوں میں
اشک کے موتی پروتا ہوں نظر کے تار میں
تیرے لائق اور کیا ہے دیدۂ خونبار میں
اب سوائے آرزوئے موت دل میں کچھ نہیں
زندگی کا جذبہ جانِ مضمحل میں کچھ نہیں

۱۷- گڈریے کا گیت

جب چاند چمکتا ہے خاموش فضاؤں میں
جب جان سی پڑتی ہے افسردہ ہواؤں میں
جب خلقِ خدا غافل سو جاتی ہے گاؤں میں
میں گھاس پہ سوتا ہوں دیودار کی چھاؤں میں
یہ تان اڑاتا ہوں ہنسی کی صداؤں میں

بے فکر نہیں کوئی مجھ سا بھی زمانے میں
میں دولتِ تسکین بھی رکھتا ہوں خزانے میں
لذت سی میں پاتا ہوں ریوڑ کو چرانے میں
بے لوث تخیل ہے فطرت کے فسانے میں
یہ بات کہاں حاصل دولت کے گھرانے میں

شاہوں کو مبارک ہو آئینِ جہانبانی
ہو طالبِ دولت کو دولت کی فراوانی
آرام کے خوگر کو حاصل ہو تن آسانی
اور رند و مسلماں کو رندی و مسلمانی
میں اور مرا ریوڑ اور اس کی نگہبانی

شہروں کی فضاؤں میں ہے ذوقِ سیہ کاری
ظاہر میں سبکدوشی باطن میں گراں باری
تکمیلِ تمدن ہے معراجِ جفاکاری
دولت کی سرفرازی غربت کی نگونساری
لیکن مرا مسلک ہے تہذیبِ وفاداری

١٩۔ اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
"اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش"

ضربِ کلیم

علامہ مرحوم جب خدا کو پیارے ہوئے تو ایک رات میرے دل و دماغ میں علامہ مرحوم کی یہ رباعی رقص کر رہی تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ ملہمِ غیب نے مجھے حضرتِ علامہ کی تاریخ وفات اس رباعی سے سمجھا دی۔

جب عازمِ فردوس ہوئے حضرتِ اقبال
مشرق ہوا تاریک تر از دیدۂ خفاش
تاریخ لکھی ہے شش و پنج عقل و خرد نے
"اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش"

سنہ ١٩٣٨ء = ١١ = ١٩٤٩ء

٢٠۔ معصوم و مرحوم بلال

(جس کی شمعِ حیات ٢٨ اپریل سنہ ١٩٤٨ء کو گُل ہو گئی)

تیری معصومی، تقدس، سادگی، بھرتی اٹھان
یاد آ آ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے بلال
یاس و حرماں کی بھیانک اور اندھیری رات میں
آرزو کا چاند بن کر جگمگاتا ہے بلال

— مر گیا ہے پھر بھی لیکن میں سمجھتا ہوں یہی
آ رہا ہو گا، مرا صبر آزماتا ہے بلال

— گو بظاہر وہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہے
توتلی باتوں سے اب بھی دل لبھاتا ہے بلال

— دیکھکر اس دل نشیں کو زینت آغوش قبر
رو رہا ہوں، اب بھی لیکن مسکراتا ہے بلال

بھول جانے کی ہزاروں کوششوں کے باوجود
دن میں سو سو بار مجھ کو یاد آتا ہے بلال

زندگی پُر لطف تھی اب جبر ہو کر رہ گئی
آگے آگے دیکھئے کیا گل کھلاتا ہے بلال

~~~~~~

در مطبع برو کا پریس سرینگر چھپا

میر
نقی
کی :
~~~~~~